خدا کے علاوہ جو لوگ دوسروں کو پوجتے ہیں انھیں برا بھلامت کہو کیونکہ پھر وہ بھی بغیر جانے بوجھے
از راہ عداوت خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

غور فرمائیے آپ کے "سب وشتم" کے جواب میں جو لوگ خدا کو برا بھلا کہیں گے ان کیلئے قرآن نے دو لفظ استعمال کئے ہیں:

عدواً! اور بغیر علم!

یعنی جو لوگ تمہارے جواب میں خدا کے لئے نازیبا اور نا ملائم الفاظ استعمال کریںگے وہ جہالت (بغیر علم) اور عداوت (عدواً) کا کرشمہ ہوگا[1] نہ کہ واقفیت اور حقیقت کا، لہٰذا ایسے لوگوں کو اس کا موقع ہی نہ دینا چاہیئے، تم اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہاری عزت کی جائے تو ضرور دوسروں کی عزت تمہیں کرنا پڑے گی۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے خدا کے خلاف ناشائستہ اور ناگفتہ بہ الفاظ نہ سنو، تو لازمی ہے کہ معبودانِ باطل کے خلاف بھی لب کشائی کرتے وقت احتیاط برتو، تم اگر انہیں برا نہیں کہو گے تو یہ کافر اور مشرک مجبور ہونگے، کہ تمہارے خدا کے خلاف یاوہ گوئی سے کام نہ لیں۔

صاوی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بتوں کے سب وشتم کی جو ممانعت آئی ہے وہ

ففی الحقیقۃ النھی عن سب اللہ[2]

وہ درحقیقت سبّ خداوندی سے روکنے کے لئے ہے

حکمت اور موعظت! اسلام نے نہایت غیر مشکوک اور بالکل واضح طور پر یہ بھی بتا دیا ہے کہ اسلام کی دعوت کس طرح دیجائے؟ بحث و مباحثہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نزاع و جدال کی صورت اختیار کرلیتاہے، لیکن اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا، وہ اسے ناپسند ہی نہیں کرتا بلکہ اس سے منع بھی کرتا ہے، چنانچہ سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے:-

ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی
ھی احسن (النحل)

اپنے رب کے راستہ کی طرف "حکمت" اور "موعظہ حسنہ" سے کام لیکر لوگوں کو دعوت دو، اور اُن سے مجادلہ کرو تو طریق احسن

"حکمت اور موعظت" کتنے جامع الفاظ ہیں۔ یہ نہیں فرمایا جاتا کہ لوگوں کو دین کی دعوت تلوار کی نوک پر دو، یہ بھی نہیں ارشاد ہوتا کہ تبلیغ مذہب کے لئے تحریص و ترہیب سے کام لیا جائے کہ یہ چیزیں زبان کو قابو میں لاسکتی ہیں، دل کو اثر پذیر نہیں کرسکتیں، تاکید فرمائی کہ اپنے رب کے دین کی طرف حکمت اور موعظت کے ساتھ دعوت دو تاکہ وہ دعوت دل تک پہنچے اور دل جس چیز کو قبول کر لیتاہے پھر اس سے کبھی منحرف نہیں ہوتا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اسے گرہ میں باندھ لیتا ہے اور اسی کا ہو رہتا ہے ——!

عام زندگی کے مسائل پر بھی جب بحث و گفتگو کا آغاز ہوتا ہے تو بہت جلد وہ گفتگو درشتی اور تلخی کا رنگ اختیار کرلیتی ہے پھر وہ مسائل جو عقائد سے تعلق رکھتے ہوں ان پر بحث و گفتگو کا انجام عام طور پر سب وشتم اور دست و بازو کے مظاہرۂ قوت پر ختم ہوتا ہے، اسلام اس اندازِ کلام کو پسند نہیں کرتا، وہ سچائی کا منادی ہے، اور سچائی کے لئے نہ زور و قوت کی ضرورت

---

[1] تفسیر جلالین ص ۱۲۳ ۔ [2] ایضاً ص ۱۲۳ ۔

ہے نہ جبر و اکراہ کی، ہاں یہ ضرور ہے، کہ اسے پیش ایسے انداز میں کیا جائے جو دل میں اتر جائے جس سے اعراض و انکار کا امکان باقی نہ رہے اور اس کے لئے حکمت و موعظت کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہو سکتا۔ حکمت اور موعظت کا اصول پیش نظر رکھ کر جب بھی دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا جائے گا، اثر انگیز اور نتیجہ خیز ثابت ہوگا اور جب اس اصل الاصل کو نظر انداز کر دیا جائے گا تو جنگ و پیکار اور سب و شتم کے سوا کوئی اور نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا، اسلام کے داعی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ اسی اصول کو پیش نظر رکھا اور داعیٔ اسلام کے جانشینوں نے بھی اسی اصول کو اپنا شعار بنایا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام پھلتا، پھولتا، بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا۔

کتب تفسیر میں بھی ان دونوں الفاظ کی معنویت اور اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، چنانچہ زمخشری، قاضی اور بیضاوی وغیرہ نے لفظ حکمت سے مراد لیا ہے "الحکمۃ الفصیحۃ" پھر اس کی مزید تشریح کی ہے۔

وھی الدلیل الموضح الحق للشبھۃ[1]

یعنی حکمت اس چیز کا نام ہے جو شبہ کے مقابلہ میں حق کو واضح کر دیتی ہے۔

اسی طرح "موعظۂ حسنہ" کے لئے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد "القول الرفیق" ہے۔ پھر اس کی تشریح کی ہے:

ای الذی فیہ الرفق ۔ یعنی وہ بات جس میں رفق و مدارات کا پہلو غالب ہو۔

اب "مجادلۂ احسن" کو لیجئے، یعنی وہ کونسا مجادلہ ہے جو احسن ہو؟

وجادلھم بالتی ھی احسن کالدعاء الی اللہ بآیاتہ والدعاء الی حججہ[2]

کفار و مشرکین سے احسن طور پر مجادلہ کرو مثلاً انہیں اللہ کی آیتوں اور نشانیوں اور حجتوں اور دلیلوں کی طرف دعوت دو۔

تفسیر کبیر میں امام رازی نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے:

المجادلۃ ھی المنازعۃ لا لاظہار الصواب بل لالزام الخصم لکن المراد ھھنا المناظرۃ والجدل الاحسن ان یکون دلیلا مرکبا من مقدمات مسلمۃ فی المشہور عند الجمھور، ومقدمات مسلمۃ عند ذلک القائل (الکبیر)

مجادلہ اس منازعہ (جھگڑے) کا نام ہے جس کا مقصد اظہار صواب نہیں ہوتا، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ مقابل کو الزامی جواب دیکر خاموش کر دیا جائے، لیکن اس جگہ مناظرہ اور جدل احسن سے مراد ایسی دلیل ہے جو ان مقدمات سے مرکب ہو جو جمہور (عوام) کے نزدیک طے شدہ ہیں نیز ان مقدمات سے مرکب ہو جو خود قائل کیلئے بھی تسلیم شدہ ہوں۔

صرف تبلیغ، نہ کہ جبر و جور! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شہر، قوم، خاندان اور گھر کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے خالص نفسیاتی اور دل میں کھپ جانے والے انداز میں ایک اللہ کی بادشاہت کا اعلان کرتے تھے، بت پرستی کے معائب اور نقائص بیان فرماتے تھے، کفر و شرک کے رذائل کی طرف متوجہ کرتے تھے، ایک ایسا دستور حیات پیش فرماتے تھے، جو ہر

---

[1] تفسیر جلالین ص ۲۲۸ ۔ [2] ایضاً ص ۲۲۸ ۔

اعتبار سے فطری تھا۔

آپ کی تعلیم کیا تھی؟ —— عقائد میں یہ کہ خدا کو ایک مانا جائے، کفر و شرک سے اجتناب کیا جائے، رسالتِ محمدی کا اعتراف کیا جائے اور قرآن کو خدا کی آخری کتاب سمجھا جائے —— اور اعمال میں یہ کہ جھوٹ نہ بولو، چوری نہ کرو، جوا نہ کھیلو، شراب نہ پیو، زنا نہ کرو، لڑکی کو لڑکی کا، ماں کو ماں کا، بیوی کو بیوی کا، باپ کو باپ کا حق دو، امانت میں خیانت نہ کرو، یتیموں کے مال و دولت پر حریصانہ نظر نہ ڈالو، کسی کا حق نہ مارو، سب کے ساتھ رفق و ملاطفت سے ساتھ پیش آؤ —— یہ اور اسی طرح کے دوسرے اعمال و عقائد تھے جن کی طرف اسلام لوگوں کو بلا رہا تھا۔

لیکن جن کو یہ دعوت دی گئی، وہ کون تھے؟ —— یہ وہ لوگ تھے جو عقائد و اعمال کی ہر گمراہی میں مبتلا تھے - یہ ایک خدا کے بجائے سیکڑوں ہزاروں خداؤں کو مانتے تھے، یہ بتوں کو پوجتے تھے، یہ مظاہر کی پرستش کرتے تھے، یہ درختوں دریاؤں، سمندروں، جانوروں کے آگے سر جھکاتے تھے، یہ چاند، سورج اور ستاروں کو خالقِ کل اور ربِ اکبر مانتے تھے، یہ ہر قوت اور طاقت کے آگے سر بسجود ہو جاتے تھے، ان کی جبینِ نیاز سب کے سامنے جھک جاتی تھی - سوا ایک خدا کے!

اور اعمال میں ان کا کیا رنگ تھا؟ —— یہ دھڑلے سے شراب پیتے تھے، یہ جوا کھیلتے تھے اور گھر کی آخری پونجی تک، نہیں نہیں عزت، ناموس اور وقار تک ہار جاتے تھے، یہ اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو بھی داؤں پر چڑھا دیتے تھے، یہ اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے، یہ اپنی سوتیلی ماؤں سے شادی کر لیتے تھے - یہ حق کے لئے نہیں آن کے لئے تلوار نکال لیتے تھے، اور وہ تلوار اس وقت تک میان میں نہیں جاتی تھی جب تک خون کے دریا نہ بہہ جائیں - یہ جب انتقام پر اتر آتے تھے تو اس کا سلسلہ نسلوں اور پشتوں تک جاری رہتا تھا، یہ بے گناہوں کا خون کرتے تھے، یہ بے تامل اور بے تکلف شریف اور پاکباز عورتوں کو متہم کرتے تھے، یہ لڑکی کو لڑکی کا، ماں کو ماں کا اور بیوی کو بیوی کا حق نہیں دیتے تھے، دینے کیا ماننے بھی نہ تھے، یہ ہر حق کے توڑنے میں جری تھے، معاہدات کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی، جوا ان کا محبوب اور بہترین مشغلہ تھا، زناکاری سے انہیں اجتناب نہیں شوق تھا، یہ بچوں کو قتل کر دیتے، عورتوں کو پکڑ لیتے، مردوں کو ہلاک کر دیتے، یہ کسی اصول کے قائل نہیں تھے، کسی نظم و ضبط کے خوگر نہیں تھے، کسی دستور و نظام کے پابند نہیں تھے، ہر وہ بات کر گزرتے تھے، جو پسند آ جاتی تھی، جو یہ کرنا چاہتے تھے - ان کے راستے میں کوئی روک نہیں تھی، یہ جس مذہب کو مانتے تھے اسکے اصولوں پر بھی عمل ضروری نہیں سمجھتے تھے، انھوں نے بعض مہینوں کے لئے طے کر لیا تھا کہ وہ محترم ہیں - اور اس دوران میں جنگ نہیں کریں گے، لیکن ضرورت اور مصلحت کا تقاضا دیکھتے تو بے تکلف انہی مہینوں میں تلوار کھینچ لیتے اور بڑے فخر سے جنگ و پیکار کا سلسلہ شروع کر دیتے۔

ان لوگوں نے جب رسول اللہ کی دعوتِ حق سُنی، تو کان کھڑے ہوئے، سوچا اگر اسلام کو قبول کر لیتے ہیں تو ساری مشیخیت ختم ہو جائے گی، جو گھروندے بنا رکھے ہیں، وہ ڈھے جائینگے، جو ڈھکوسلے قائم کر رکھے ہیں وہ ختم ہو

جائیں گے، اونچ نیچ کی جو تفریق قائم کر لی ہے وہ مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ جائے گی، لہٰذا سنی کی ان سنی کر دی، ان کا دل قبول کر لیتا تھا دماغ انکار کر دیتا تھا، یہ دل سے بغاوت کرتے تھے، اور دماغ کے سامنے سپر انداز ہو جاتے تھے، یہ نہ صرف خود اسلام قبول کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا ان کا ہم قوم یا ہموطن اسلام قبول کرے، جو ایسا کرتا تھا یہ اس کے پیچھے پڑ جاتے تھے، اسکی جان کے گاہک بن جاتے تھے، اسے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیتے تھے۔ اس کے بال بچوں کو ستاتے تھے، اس کے لئے جینا دوبھر کر دیتے تھے، ان کی کوشش صرف یہ ہوتی تھی، کہ جس نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ اس سے منحرف ہو جائے۔

آنحضرتؐ کفار و مشرکین کی یہ دھاندلی دیکھتے تھے مگر خاموش رہتے تھے، وہ جتنے جوش و خروش اور جذبہ و حوصلہ کے ساتھ دعوت پیش کرتے تھے، اس سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کفار اس دعوت کی مزاحمت کرتے تھے، وہ شور مچاتے تھے تاکہ آنحضرتؐ کی آواز کم سے کم کانوں تک پہنچ سکے، ہنگامہ آرائی کرتے تھے تاکہ کم سے کم لوگ دعوت اسلام سے آشنا ہو سکیں، داعی اسلامؐ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وحشیانہ برتاؤ کرتے تھے تاکہ وہ اپنی دعوت سے باز آ جائیں۔

قدرتاً ایک انسان کی حیثیت سے دعوت حق کے جواب میں کفار کا یہ طرز و اسلوب دیکھ کر آپؐ دل برداشتہ ہو جاتے تھے آپ کے قلب کو تکلیف ہوتی تھی کہ جب حق اس لئے ہے کہ قبول کیا جائے اور سچائی کی غایت یہ ہے کہ وہ حکمرانی کرے، تو یہ کیا بات ہے کہ حق کے سننے سے اعراض کیا جاتا ہے، اور سچائی کے ماننے سے انکار کر دیا جاتا ہے؟

خدائے بزرگ و برتر اپنے آخری نبی اور رسول کی یہ ذہنی کلفت دیکھتا تھا اور تسلی دیتا تھا کہ مبلغ کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ نتائج کی طرف نظر رکھے، صرف یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کو انجام دیتا رہے، وہ صاف الفاظ میں اپنے رسولؐ سے مخاطب ہو کر فرماتا تھا۔ تمہارا کام یہ نہیں ہے کہ دکھ جھیلو، غم اٹھاؤ، پریشان ہو اور دوسروں کے لئے فکرمند ہو، تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہو، جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں، وہ اجر پائینگے، جو نہیں قبول کرتے ان سے خدا سمجھ لے گا۔ چنانچہ سورہ نحل میں ارشاد فرماتا ہے :۔

فان تولوا فانما علیك البلغ المبین۔

اگر یہ لوگ (سمجھانے پر بھی) منہ موڑ لیں تو اے پیغمبر! تمہارے ذمہ صرف کھلے طور پر پیام کا پہنچا دینا ہے۔

"بلاغ مبین" ـــــ یعنی ایسی تبلیغ جو واضح ہو، نمایاں ہو، شک و ریب اور شبہات سے بالاتر ہو، جس میں پیچ و خم نہ ہو، کجی نہ ہو، جو ناقابل فہم، اور ناقابل قیاس نہ ہو، جو گنجلک نہ ہو، جس میں کسی قسم کا اینچ پیچ نہ ہو۔ ایک لفظ "مبین" ان تمام مفہوموں پر حاوی ہے، ـــــ پھر جب تم نے تبلیغ کا فریضہ انجام دے لیا اور تمام شرائط و حدود کے ساتھ اس فرض سے عہدہ برآ ہو لئے، یعنی تبلیغ مبین کر لی، تو اب تمہیں افسردہ اور ملول ہونے کی ضرورت نہیں، نتیجہ خدا کے ہاتھ میں چھوڑ دو :

ای فلا لوم علیك وهذا تسلیة له صلی الله علیه وسلم[1]

---

[1] تفسیر جلالین ص ۲۲۴۔

یعنی اگر وہ لوگ روگرداں ہو جائیں تو اے محمدؐ آپ پر کوئی الزام نہیں ——

ان الفاظ میں گویا آنحضرتؐ کو خدا کی طرف سے تسلی دی گئی ہے کہ وہ پریشان نہ ہوں۔

سورۂ نور میں ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے جن تک رسول اللہؐ نے دعوت پہنچائی تھی فرمایا :-

قل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم، وان تطیعوہ تھتدوا، وما علی الرسول الا البلغ المبین۔

(ان سے) کہو کہ خدا اور رسول کا حکم مانو۔ لیکن اگر تم روگردانی کروگے تو جو ذمہ داری رسول پر ہے اس کے جوابدہ وہ ہیں اور جو ذمہ داری تم پر ہے اس کے جوابدہ تم ہو۔ اور اگر رسولؐ کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے اور رسول کے ذمہ تو صرف (حکم خدا کا) پہنچا دینا ہے۔

قرآن مجید میں اس طرح کی متعدد آیات ملیں گی جن میں آنحضرتؐ کو تسکین دی گئی ہے، کہ وہ ردِّ دعوت پر ملول و افسردہ نہ ہوں، نتائج کو اللہ کو خدا کے ہاتھ میں چھوڑدیں اور اپنے فریضہ کی طرف متوجہ رہیں۔ ان آیتوں میں خواہ یہ مکی ہوں، یا مدنی، یعنی خواہ اس دور میں نازل ہوئی ہوں جب ہجوم کفار کے مقابلہ میں آپ بالکل یکہ وتنہا تھے، یا اس زمانہ میں جب آپ مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے اور پروانہ وار مسلمان آپ پر جان نثار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ اور تیار تھے۔ ہر دو ہی تلقین کی گئی ہے کہ تم (اے محمدؐ) اپنا دھیان صرف تبلیغ کی طرف رکھو، اس کی فکر نہ کرو کہ دعوت سُنی جاتی ہے یا نہیں۔ کسی موقع پر یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جو لوگ دعوتِ اسلام کے ماننے سے انکار کردیں یا سننے سے گریز کریں ان پر سختی کرو۔ ان پر جبر کرو۔ انہیں مجبور کرو کہ وہ تمہاری دعوت قبول کرلیں اور تمہارا پیام گوش وہوش سے سُنیں۔

ازدواجی زندگی

کے لئے

قانونی تجاویز

(مصنفہ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی)

عورتوں کے حقوق کا مسئلہ آج کل بڑی اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ اس رسالہ میں ازدواجی زندگی کے تمام اہم مسائل پر سنجیدہ علمی اور سیر حاصل بحث کرکے قانونی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ ۲۔ کلب روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مشکلات القرآن

محمد حنیف ندوی

ایک آیت

یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین فان زللتم من بعد ما جاءتکم البینٰت فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم۔

اے مسلمانو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اگر دلائل و براہین کے آجانے کے بعد بھی تم پھسلے اور جادۂ مستقیم سے انحراف کیا۔ تو جان لو کہ اللہ زبردست اور بڑا باریک بین ہے۔

لفظ سلم اور کافۃ کے معنی: لفظ سلم کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے: اطاعت اور فرمانبرداری پر، صلح و آشتی پر، اور اسلام پر، جو ایک متعین نظام فکر و عمل کا نام ہے۔ ضحاک نے کہا ہے کہ اس سے مقصود اطاعت ہے۔ قتادۃ صلح و آشتی کے قائل ہیں اور حبرامت حضرت ابن عباس اور ان کے دوسرے تلامذہ اس سے اسلام مراد لیتے ہیں۔ غور کیجئے تو اس سے معلوم ہوگا، کہ یہ اختلاف، درحقیقت کوئی اختلاف ہی نہیں۔ اسلام کے سوا اطاعت و فرمانبرداری کا مکمل نظام ہو ہی کونسا سکتا ہے؟ اسی طرح اس میں جس درجہ صلح و امن کے دواعی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس کا اہتمام دوسرے مذاہب میں کہاں پایا جاتا ہے؟ یہ اختلاف اس نوعیت کا ہے جیسے کوئی صاف صاف بادہ و شراب کہہ دے، اور کوئی اس کی خصوصیات کی طرف اشارہ کر کے رہ جائے۔ قرآن حکیم میں اس انداز کی اور مثالیں بھی ملتی ہیں —— توجہ طلب لفظ اس آیت میں دراصل "کافۃ" ہے۔ نحوی لحاظ سے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ "ادخلوا" سے متعلق ہے اور غرض حالت و کیفیت کا اظہار ہے۔ تب اس کے معنی ہوں گے، کہ اسلام میں سب کے سب آؤ۔ انفرادی اسلام فتح و نصرت کا ضامن نہیں ہو سکتا اور اگر اس کا تعلق لفظ "سلم" سے ہے تب اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ اسلامی تصورات و عقائد کو اپنانا ہے تو پوری طرح اپناؤ۔ آدھے یا ادھورے اسلام سے اس کی برکات حاصل ہونے والی نہیں! —— اول الذکر تاویل کئی حضرات سے منقول ہے، جیسے ابوالعالیہ۔ عکرمہ ربیع بن انس، سدی، مقاتل بن حیان اور قتادہ وغیرھم —— دوسری تعبیر کے قائل مجاہد ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

اعملوا بجمیع الاعمال و وجوہ البر

کہ اسلام کے بتائے ہوئے ہر ہر عمل کو آزماؤ۔ اور خیر و نیکی کے ہر ہر دروازہ پر دستک دو۔

سیاق و سباق سے اسی دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے ایسے ہی گروہ کا ذکر ہے جنکے بارہ میں قرآن نے فرمایا ہے:

ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا ویشھد اللہ علی ما

فی قلبہ وھو الد الخصام

لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں، جن کی دنیا کے بارے میں باتیں تمہیں بھاتی ہیں اور وُہ اپنے اخلاص کا یقین بھی دلاتے ہیں۔ حالانکہ پرلے درجے کے جھگڑنے والے اور کج بحث ہیں۔

یا نوف البکالی نے جن کے حسب حال ایک قدیم کتاب کی یہ عبارت نقل کی ہے:

قومٌ یحتالون علی الدنیا بالدین السنتھم احلیٰ من العسل۔ وقلوبھم امرّ من الصبر۔ یلبسون الناس مسوک الضأن و قلوبھم قلوب الذئاب۔

یہ ایسی قوم ہے جو دنیا کو دین کے بھیس میں دھوکہ دیتی ہے۔ ان کی زبانیں شہد سے زیادہ شیریں ہیں، لیکن دلوں کی یہ کیفیت ہے کہ ان میں بلا کی کڑواہٹ ہے، یہ اپنے جسموں پر اگرچہ بھیڑ کی کھال سجائے ہوئے ہیں، مگر اس سے دھوکہ نہ کھانا، ان کے دل بھیڑیئے کے ہیں۔

یعنی ایسا گروہ جو اسلام کے تمام مقتضیات پر عمل پیرا نہیں، اور صرف اسی حد تک اس کو تسلیم کرتا ہے جس حد تک کہ یہ اسکی خواہشات و اغراض کو پورا کرتا ہے، یا جس حد تک کہ حصولِ دنیا میں اس سے مدد ملتی ہے۔ منافقین شروع شروع میں اسی طرح کے مسلمان تھے۔ ان کا عمل پورے اسلام اور اس کے احکام و تفصیلات پر نہ تھا۔ بلکہ دکھاوے و ریا کی خاطر بعض جزئیات کو مان لیتے تھے تاکہ اسلامی معاشرہ میں رہ کر اس کے فوائد سے بہرہ مند رہیں۔ بعض دل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بدستور شدید بغض و عداوت پنہاں رکھتے تھے اور موقع ملنے پر اس کے اظہار سے بھی چوکتے نہ تھے۔

قرآن کا مطالبہ: قرآن حکیم نے اس طرز عمل کی سخت مخالفت کی ہے۔ اس کا یہ مطالبہ ہے کہ یا تو ایمان کی اس دعوت کو پوری طرح تسلیم کرو، اور اس کے ہر ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو، اور یا پھر صاف صاف منکر ہو جاؤ، بیچ کی کوئی راہ نہیں۔ اس سے تمہیں تو یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ اسلام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاؤ گے، جیسا کہ تم چاہتے ہو، اور اپنے بھائی بندوں میں رہو گے اور قول و عمل سے کفر کی موثر مدد کر سکو گے۔ مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچے گا کہ وہ تمہارے متعلق صحیح صحیح رائے قائم کر سکیں گے۔ اور تمہاری ریاکاریوں سے دھوکہ نہیں کھائیں گے ـــــ نفاق کی یہ صورت ختم ہو چکی اور صدیاں گذریں کہ اسلام اس نوع کے گروہ کی دسیسہ کاریوں سے مخلصی حاصل کر چکا، پھر اس پر بھی صدیاں بیت چکیں، کہ اسلامی معاشرہ میں محاسبہ و احتساب کا عمل جاری ہو اور لوگوں کو انکی گمراہیوں پر ٹوکا جائے۔ اَب ہر شخص اپنے عقیدہ و فکر میں آزاد ہے چاہے تو مسلمان رہے اور چاہے تو اسلامی معاشرہ سے اپنے تمام تعلقات منقطع کرلے۔ اس وقت ہمیں جس نفاق کا سامنا ہے وہ دُوسرا ہے۔ اَب یہ بات تو نہیں کہ کوئی شخص اسلام کو اللہ کا دین نہ سمجھتا ہو اور اسکی بیان کردہ اقدارِ حیات پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور پھر بھی کہلاتا مسلمان ہی ہو۔ کیونکہ اس طرح کی کوئی مجبوری اب پائی نہیں جاتی ـــ آج جو نفاق رو نما ہے اور اسلامی معاشرہ میں ہمہ گیر بیماری کی حیثیت سے جاری و ساری ہے، وہ نفاقِ عمل یا فکر و عمل میں عدم توازن ہے ـــــ یعنی اسلام پر ایمان تو موجود ہے، مگر ایمان اس انداز کا نہیں کہ قوتِ محرکہ ثابت ہو سکے، جو زندگی کو باقاعدہ خانوں میں تقسیم